3

جذبات اور عقل دونوں سے کام لینا چاہیے

(فرمودہ ۱۶ جنوری ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

دنیا میں دو قسم کی چیزیں ہمارے دیکھنے میں آتی ہیں جو کہ انسان کے اعمال اور اس کے کاموں میں بہت زیادہ تصرف رکھتی ہیں۔ جو بھی دنیا میں انسان کام کرتا ہے۔ صرف انہیں دو چیزوں کے تصرف کے ماتحت کرتا ہے۔ ایک تو انسان کی عقل ہے جس کے ماتحت وہ کام کرتا ہے اور دوسری چیز اس کے جذبات ہیں جن کے ماتحت وہ دنیا میں کاروبار کرتا ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی عقل اور اس کے جذبات دنوں مل کر کام کرتے ہیں اور بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ دونوں مل کر کام نہیں کرتے۔ جس وقت تو انسان کی عقل اور اس کے جذبات مل کر کام کرتے ہیں تب تو انسان نتیجہ میں خوش ہوتا اور راحت پاتا ہے اور اس کو کوئی رنج اور دکھ نہیں ہوتا لیکن جس وقت انسان کے جذبات اس کو اور طرف لے جاتے ہیں اور اس کی عقل اس کو اور طرف کھینچتی ہے اس وقت انسان دکھ اٹھاتا اور تکلیف پاتا ہے۔

ایسے وقت میں بھی پھر دو کیفیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یا تو انسان کے جذبات غالب آجاتے ہیں اور عقل دب جاتی ہے اور یا عقل ایسی غالب آجاتی ہے کہ جذبات بالکل دب جاتے ہیں اور یہ دونوں حالتیں تکلیف دہ ہیں۔ ایک تو وقتی اثر کے لحاظ سے اور ایک دائمی اثرات کے لحاظ سے۔ جو کام کہ محض جذبات کے ماتحت کئے جاتے ہیں اور عقل بالکل مغلوب ہو کر دب جاتی ہے ان کا نتیجہ تو بعد میں جا کر تکلیف دہ نکلتا ہے۔ اور جو کام کہ ایسی کیفیت کے ماتحت کئے جاتے ہیں جس میں عقل غالب آجاتی ہے اور جذبات بالکل دب جاتے ہیں تو یہ کیفیت موجودہ حالات کے ماتحت بہت مضر ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسا شخص لوگوں کی نظروں میں سخت گھناؤنی صورت والا نظر آنے لگتا ہے۔ حالانکہ وہ عقل

کے ماتحت کام کر رہا ہوتا ہے اور لوگ اس کو سنگدل اور قسی القلب کہتے ہیں حالانکہ وہ رحم کر رہا ہوتا ہے اور یہ نہیں کہ ایسا کام کرتے ہوئے اس کو کوئی دکھ نہیں ہوتا وہ خود بھی دکھ اٹھاتا ہے یا کم از کم اس کا دل اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ ان دو کیفیتوں کے علاوہ ایک طبعی حالت یہ بھی ہے کہ انسان کے جذبات اور اس کی عقل دونوں ایک ہی وقت کام کرتے ہیں۔

یہ احساسات اور جذبات بلا وجہ نہیں پیدا کئے گئے بلکہ یہ مادہ بہت سی نیکیوں کے لئے مدد اور معاون ہو جاتا ہے اور بہت سے نیک کام انہی کے اثر کے ماتحت انسان کو کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ بعض نیک کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سوچ کرنے کا موقع ہی نہیں ہوتا۔ اگر اس وقت انسان سوچنے لگے تو نقصان ہوتا ہے اور بعض اوقات انسان خود سوچ بھی نہیں سکتا۔ محض جذبات اور احساسات کی وجہ سے نیکی کر لیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص جو مظلوم ہے کوئی دوسرا اس کو مار رہا ہے اس پر ظلم کر رہا ہے۔ تو پچانویں فیصد ایسے ہوں گے جو ظالم کے ہاتھ کو روکیں گے اور اس کو برا کہیں گے اور مظلوم کی طرف داری اور اس کی مدد کریں گے مگر یہ نیکی اور یہ ہمدردی کسی عقل اور فکر کا نتیجہ نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تحقیق کے بعد وہی ظالم ثابت ہو جس کو وہ مظلوم سمجھ کر اس کی طرفداری کر رہا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہی مظلوم ثابت ہو مگر اس سے پہلے وہ اس بات پر غور نہیں کرتا کہ حق کس کی طرف ہے اور کسی کی طرف نہیں اور داد رسی کا کون مستحق ہے۔ یہ یا وہ۔ بلکہ اس کے جذبات اور اس کے احساسات خود بخود اس کو کھینچ کر مظلوم کی داد رسی کے لئے اس کو آمادہ کر دیتے ہیں۔ اس لئے بسا اوقات یہ احساسات جہاں پر انسان سے بلا سوچے ایک نیکی کا کام کرا دیتے ہیں وہاں پر بعض اوقات ان کے اثر کے ماتحت انسان غلطی بھی کر بیٹھتا ہے۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص چور کو پکڑنے کے لئے دوڑا جا رہا ہوتا ہے وہ غلطی سے اس کی کمر پکڑ لیتا ہے اور اصل چور ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور اگر اس وقت سوچنے لگتا کہ وہ کس کو پکڑے تو دو چار منٹ اس کے لئے درکار تھے جس سے موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ غرض ایسی حالت میں دونوں صورتیں نقصان دہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ محض جذبات یا محض عقل اس کو کسی نیکی کی طرف لے جائیں یا کسی غلطی کی طرف لے جائیں۔ لیکن جو عقل اور جذبات دونوں سے کام لیتا ہے۔ وہ ٹھوکر سے بچ جاتا ہے۔ مثلاً اگر وہ آگے بھاگنے والے کے پیچھے دوڑے اور پہلے اس کو پکڑ لے تو نقصان بھی نہیں ہو گا۔ کیونکہ چور پکڑا جائے گا اور اس کی حمایت کا جذبہ بھی پورا ہو جائے گا۔ یا مثلاً ایک شخص دوسرے کو مار رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حق رکھتا ہو اور مظلوم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے وہ ظالم ہو مگر ظاہری حالات

کے ماتحت انسانی جذبات اس کو مار کھانے والے کی امداد کے لئے آمادہ کر دیں گے۔ ایسی حالت میں اگر عقل کے ماتحت اپنے جذبے کو وہ اس رنگ میں پورا کرے کہ مارنے والے کے ہاتھ کو پکڑ لے یا اس کو روک دے تو اس کا جذبہ بھی پورا ہو جاتا ہے اور نقصان بھی کوئی نہیں ہوتا۔ غرض ان جذبات اور عقل انسانی سے تین باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ بعض وقت تو جو کام انسان محض عقل یا جذبات کے ماتحت کرتا ہے وہ صحیح ہوتے ہیں اور بعض وقت غلط اور بعض اوقات مقابلہ میں ایک کا دوسرے کے خلاف صحیح یا غلط نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر عقل کے مطابق کام لیا جائے تو جذبات کے خلاف ہوتا ہے۔ یا جذبات کے ماتحت کیا جائے تو عقل کے خلاف ہوتا ہے۔ بعض وقت انسان جذبات کو دبا کر محض عقل کے ماتحت کام کرتا ہے تو سخت سنگدل نظر آتا ہے۔ اور بعض اوقات جذبات غالب ہو کر عقل کو دبا لیتے ہیں وہ بھی خطرناک ہوتا ہے۔

پس ایک مومن کا ایمان جس طرح اپنے ساتھ خوف اور رجاء رکھتا ہے۔ اسی طرح نہ تو اس کو ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ کہ جس سے اس کے احساسات اور جذبات بالکل مٹ جائیں اور نہ ہی ایسا کہ اس کی عقل بالکل اس کے جذبات کے نیچے دب جائے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے لئے موجود ہے آپ پر غم بھی آئے اور خوشی بھی۔ اگر ماضی پر غم کرنا چاہیے یا جو ہو چکا ...... اس پر غم کھانا نادانی ہے۔ اس خیال سے کہ جو ہو چکا سو ہو چکا اس پر غم کیا کرنا تو آنحضرتؐ کبھی غم یا خوشی نہ کرتے۔ چنانچہ عقلی طور پر جنہوں نے اس بارہ میں سوچا ان میں سے ایک گروہ نے تو یہ یقین کر لیا کہ ہر ایک کام اور ہر ایک فعل جو دنیا میں ہو رہا ہے۔ وہ نقصان پہنچا رہا ہے۔ اس لئے انہوں نے اس خیال کے ماتحت ہر ایک خوشی کے جذبے کو مٹا دیا ہے اور اس کی جگہ رنج ہی رنج اختیار کر لیا ہے۔

اسی خیال کے ایک فلاسفر کو کسی نے اس کے گھر بیٹا پیدا ہونے کی خبر دی۔ کہنے لگا بڑی مصیبت سر پر آپڑی پہلے تو ہم دونوں ہی تھے اب تیسرے بیٹے کے کھانے پہننے کی فکر بھی ساتھ لگ گئی یہ بیمار ہو گا تو اہم الگ دکھ اٹھائیں گے۔ مرے گا تو پھر اور صدمہ اٹھانا پڑے گا ہم تو دکھ اور مصیبت میں پڑ گئے۔ اس لئے وہ پہلے سے ہی اس غم میں رونے لگ گیا۔ ایسے لوگوں کو اگر مال حاصل ہو جائے تو پھر مال کی حفاظت کا غم کرتے ہیں۔ جب تک مال نہیں تھا تو مال نہ ہونے کا غم اور جب مال مل گیا تو مال کی حفاظت کا غم اور پھر جب چور لے گیا تو پھر مال کے چوری چلے جانے کا غم۔ غرض اس گروہ نے جو سمجھا وہ یہی کہ دنیا میں تو غم ہی غم ہے خوشی بالکل نہیں۔ اور دوسرے گروہ نے جو

عقلی طور پر سوچا تو انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ دنیا میں خوشی ہی خوشی ہے اور انسان کو ہر بات میں لذت اور سرور حاصل کرنا چاہیے اور کسی غم اور رنج کو دل میں جگہ نہ دینی چاہیے بلکہ ہر بات پر ہنسنا چاہیے۔ چنانچہ ان لوگوں کے نزدیک جو شخص مرجاتا ہے وہ گویا روز کے دکھوں سے نجات پا جاتا ہے۔ کیونکہ زندگی میں کہیں وہ بیمار ہوتا ہے تو اس کو دکھ ہوتا ہے کہیں علم حاصل کرنے کی اسے فکر ہوتی ہے کہیں عزت حاصل کرنے کی۔ کہیں اپنی کہیں بیوی بچوں کی۔ لیکن جب مرجاتا ہے تو ان ہزار ہا غموں اور فکروں سے اسے نجات ہو جاتی ہے اس لئے ان کے نزدیک موت سے غم نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ یہ موقع خوشی منانے کا ہوتا ہے۔

اسی خیال کے لوگ ٹھگ کہلاتے ہیں۔ اب تو ان لوگوں کی غرض اور ہو گئی ہے لیکن پہلے یہ بالکل مذہبی فرقہ ہوتا تھا اور ان کے نزدیک یہ زندگی ایک بڑی بھاری مصیبت کے مترادف ہوتی تھی۔ اس لئے وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جو کسی کو مار ڈالتا ہے وہ اس پر بڑا احسان کرتا ہے۔ کیونکہ مرنے کے ساتھ ہی ہزارہا دکھوں سے جن میں وہ مبتلا تھا نجات پا گیا۔ اس لئے وہ لوگوں کو قتل کرنے میں بڑا ثواب اور نیکی خیال کرتے تھے اور اس کام کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کرتے تھے۔ ان کو مال کی کوئی طمع نہ ہوتی تھی مقتول کے مال کو ہاتھ تک نہ لگاتے تھے اور ان کو یہی یقین ہوتا تھا کہ ہم نے ایک آدمی کو قتل کر کے ایک قیدی کو آزاد کر دیا۔ جیب میں پھانسی کے لئے ایک رسی رکھتے تھے۔ جس کسی کو اکیلے پایا پھانسی ڈالی اور مار ڈالا۔ اور پھر سمجھتے تھے کہ ہم نے بڑا کام کیا اب اللہ ہم پر راضی ہو گیا۔ یہ سنگدلی اور یہ خونخواری اسی خیال کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں ہر ایک چیز غم اور دکھ کا باعث ہے یہ لوگ ڈاکٹروں اور طبیبوں پر جو مریضوں کا علاج کرتے تھے خوش نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ڈاکٹر اور حکیم مرض کا علاج کر کے مریض کے دکھوں کے زمانے کو اور بڑھا دیتے ہیں۔ تندرست ہو کر پھر کبھی وہ بیمار پڑتا ہے۔ کہیں اس کو نوکری کی فکر ہوتی ہے۔ کہیں پڑھنے کی اور کہیں پڑھانے کی۔ حالانکہ افضل کام یہ تھا کہ اس کو کوئی ایسی چیز دیتے جس سے وہ فوراً رخصت ہو جاتا اور اس کی پُر درد زندگی کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس لئے وہ اپنی زندگیوں کو لوگوں کے قتل کے لئے وقف کرتے تھے اور اس کام کے کرنے کے لئے اپنے آپ کو وہ خطرے اور ہلاکت میں بھی ڈال لیتے تھے۔ تو اس قسم کے خیالات سے مختلف جماعتیں ہوئی ہیں۔ بعض نے تو محض غم کے جذبے کو بڑھایا اور بعض نے محض خوشی کے جذبے کو ترقی دی۔ کسی نے بھی اپنے احساسات کو طبعی مقام نہیں دیا۔ بعض تو عقل کے پیچھے چلے۔ تو انہوں نے غم کو اصلی قرار دیا۔ اور بعض عقل کے پیچھے چلے تو انہوں نے خوشی کو اصل

چیز قرار دیا اور ان کی زندگی جانوروں اور درندوں کی طرح ہو گئی۔ اس کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کو دیکھو۔ وہاں عقل بھی ہے خوشی بھی ہے اور رنج بھی۔ سب باتیں ایک جگہ جمع ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے عقل اور جذبات۔ خوشی اور غمی کو ان کا طبعی مقام دیا ہوا تھا جس کی وجہ سے کوئی قباحت نہیں پیدا ہوتی تھی۔

پس جس جگہ جذبات محبت' آشتی اور ہمدردی کے بڑھانے کا موجب ہوں وہاں جذبات کو کام میں لاؤ اور جہاں عقل سے محبت اور تعلقات بڑھتے ہوں وہاں عقل کو کام میں لاؤ۔ مثلاً ایک شخص جو کسی دوسرے کو مار رہا ہے تم اس کو اپنے جذبات کے ماتحت مارنے کی بجائے اس کو صبر کی تلقین کرو اور اس کے ہاتھ کو روک دو کیونکہ ہو سکتا ہے مارنے والا ہی حق پر ہو۔ ان دونوں کی محبت میں تو فرق پڑ ہی چکا تھا۔ اگر اس وقت تم جذبات کے ماتحت اس کو مارو تو تمہارے ساتھ بھی اس کے تعلقات میں فرق پڑ جائے گا۔ لیکن جذبات کو دبا کر عقل سے کام لینے اور مارنے والے کو صبر کی تلقین کرنے اور اس کے ہاتھ کو روکنے سے یہ نقص نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ اس وقت عقل سے کام لینے سے تعلقات کے بڑھنے کی زیادہ امید ہے۔ اور جس جگہ جذبات سے کام لینے میں نقصان ہو اور عقل سے کام لینے میں فائدہ ہو وہاں جذبات کو فوراً دبا دو اور ان کی قطعاً پرواہ مت کرو۔ شریعت میں سزائیں رکھی ہیں کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے اور قاتل کو قتل کیا جائے۔ اب جذبات کہتے ہیں کہ اس بیچارے کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اور مقتول تو مر گیا وہ تو زندہ نہیں ہو سکتا۔ اب اس قاتل کے مارنے میں کیا فائدہ ان کو سزائیں دینے کے وقت دل میں رحم پیدا ہوتا ہے اور جذبات اپنا اثر ڈالتے ہیں لیکن عقل کہتی ہے کہ چور کو سزا نہ دی جائے تو لوگوں کے مال اور اس کی وجہ سے جانیں بھی خطرہ میں پڑ جائیں گی وہ چور بھی اس عادت میں زیادہ ترقی کرے گا اور اس کے اس بد نمونہ کے اور بھی بہت سے لوگ اس عادت کے پیدا ہو جائیں گے اور دنیا کا امن برباد ہو جائے گا۔ اور اگر تم قاتل کو قتل نہیں کرتے تو کل کو وہ کوئی اور جان ضائع کرے گا۔ کیونکہ بھیڑیئے کے منہ میں خون لگ گیا ہے اس لئے اس کی وجہ سے باقی انسان بھی خطرے میں ہیں۔ یہاں پر مقتول کے زندہ ہونے نہ ہونے کا سوال نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی زندگیوں کی حفاظت کا سوال ہے۔ کیونکہ جس نے مشرق کی طرف قدم بڑھایا اس کا دوسرا قدم بھی مشرق کی طرف جائے گا اور جس نے مغرب کی طرف پہلا قدم بڑھایا دوسرا بھی مغرب ہی کی طرف جائے گا۔ اس لیئے اگر تم قاتل کو نہیں قتل کرو گے تو زیادہ تر امکان یہی ہے کہ اس کا دوسرا قدم بھی یہی ہو گا کہ وہ کسی اور کو قتل کر دے گا۔ ہاں اگر غلطی اور نادانی سے اس سے کوئی

آدمی مارا گیا ہے تو بے شک اس کو قتل نہ کیا جائے۔

اسی طرح ان کے علاوہ بعض اور حالات ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں جذبات کا اظہار سخت تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ جنگی موقعوں پر اگر مُردوں کو نہلایا کفنایا جائے تو بہت بڑے خطرے ہیں۔ یکدم بیسیوں آدمی مرجاتے ہیں۔ اگر لوگ ان کے کفن اور نہلانے وغیرہ میں لگ جائیں تو بیسیوں زخمی جو خبر گیری سے بچ سکتے ہیں یا ان کی تکلیف کم ہو سکتی ہے وہ بھی سخت تکلیف کے ساتھ جان دیدیں اور پھر خطرہ ہے کہ دشمن یہ مصروفیت دیکھ کر حملہ کر دے تو جان اور ملک دونوں کا نقصان ہو۔ چونکہ اس وقت جذبات کا اظہار مُردوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا بلکہ برخلاف اس کے زندوں کا اس میں سخت نقصان ہے۔ اس لئے ایسے موقع پر جذبات کو دبانا ہی ضروری ہے۔ گو انسانی جذبات یہ چاہتے ہیں کہ مرنے والوں کا اعزاز اور اکرام ہو اور عمدگی کے ساتھ نہلا دھلا کر اور کفن دیکر دفنایا جائے۔ مگر عقل کہتی ہے کہ اس میں مُردوں کا تو کوئی فائدہ نہیں مگر ملک کا اور زندوں کا سخت نقصان ہے۔ اس لئے شریعت کا یہ حکم ہے کہ وہ جس حالت میں ہیں ان کو دفن کر دو۔ الگ الگ قبر بنانے کی بھی ضرورت نہیں۔ بظاہر یہ بات طبیعت پر بہت گراں گزرتی ہے۔ لیکن اگر انسان سوچے تو حقیقت کچھ نہیں۔ کیونکہ مردے کو نہلانا یا کفن پہنانا ایک عارضی صفائی ہوتی ہے۔ چند دنوں کے بعد سب کچھ مٹی ہو جاتا ہے۔ قبر درمیان میں ایک پردہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے مردہ کی بعد کی حالت نظر سے مخفی رہتی ہے۔ یہ صرف جذبات ہیں جو ان امور کی طرف انسان کو جھکا دیتے ہیں۔

چونکہ انسان ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ عمدہ لباس پہنتا ہے اور روزانہ صفائی رکھتا ہے۔ گرمیوں میں سرد اور سردیوں میں گرم کپڑے پہنتا ہے۔ اور وہ اس کی ہر طرح عزت و احترام کرتا ہے۔ اس کے مرنے پر اس کے جذبات یکدم ان حالات کے خلاف نظارے کو برداشت نہیں کر سکتے اس لئے عام حالات کے ماتحت شریعت نے انسان کے جذبات کو ٹھکرایا بھی نہیں تاکہ طبیعت قساوت ہی نہ اختیار کرلے۔ بلکہ مردے کی صفائی کفن دفن اور احترام کا حکم دیا ہے۔ اس خیال سے کہ جو بعد میں ہونے والا ہے وہ تو تمہاری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ کیونکہ مختلف موسموں اور وقتوں کے لحاظ سے مردے میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اور زمین کا شور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ مگر اس کا اثر جذبات پر نہیں ہوتا۔ انسان صرف قبر ہی دیکھتا ہے اور وہی کیفیت اور وہی نظارہ اس کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے جو دفنانے کے وقت اس کے سامنے تھا۔ پس جس وقت جذبات کے اظہار سے حقیقی نقصان پہنچتا ہو تو اس وقت جذبات کا اظہار ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی طاعون کی اموات کے متعلق فرمایا ہے کہ ایسی میتوں کو بغیر غسل اور کفن کے دفن کر دیا جائے اور جنازہ بھی فاصلہ پر کھڑے ہو کر ادا کیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بظاہر طبیعت پر یہ بات بہت گراں گزرتی ہے لیکن اگر ہم غور کریں اور سوچیں تو عقلاً یہ بات اس قدر ضروری ہے کہ اس کے خلاف کرنا سخت نادانی اور جہالت ہے۔ ہمارے نہلا دینے سے یا جنازے کے قریب ہونے سے میت کو کیا فائدہ وہ زندہ تو ہو نہیں سکتا۔ اب اگر اس میں عملی حصہ لے کر چار یا پانچ یا دس آدمی جو زندہ ہیں موت کے منہ میں چلے جائیں تو یہ کوئی عقلمندی نہیں۔ جب تک تو ایک شخص بیمار ہے اس کے بچنے کی امید ہو سکتی ہے۔ ایسی حالت میں تو ضروری احتیاطوں کے ماتحت اگر دس آدمی بھی اس ایک کی خبر گیری اور جان بچانے کے لئے موت کے منہ میں پڑ جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ وہ ایثار دکھلائیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص ڈوب رہا ہے تو اس ایک جان کو بچانے کے لئے دس آدمی بھی اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیں تو جائز بلکہ ضروری ہو گا۔ خواہ ڈوبنے والا بھی بعد میں جانبر نہ ہو سکے بلکہ دس میں سے پانچ نکالنے والے بھی چاہے ڈوب جائیں۔ لیکن اگر ایک میت پانی پر تیر رہی ہو تو اس کو نکالنے کے لئے ایک آدمی کا بھی اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا جائز نہیں ہو گا بلکہ بیوقوفی ہو گی۔

بہت سے مقامات پر جذبات دبانے پڑتے ہیں۔ کیونکہ ان کے اظہار کی بھی غرض تو یہی ہوتی ہے کہ آپس کے تعلقات قائم ہوں اور محبت بڑھے۔ اور ڈوبنے والا یا بیمار زندہ رہے لیکن اگر جذبات ان مقاصد میں روک ہوں اور جس غرض کے لئے جذبات کا اظہار ضروری ہوتا ہے وہ غرض پوری نہ ہوتی ہو تو پھر ان کو دبانا ہی ضروری ہوتا ہے۔ جذبات تو محبت آشتی اور تعلقات کے بڑھانے اور زندگی کے قیام کے لئے بطور خادم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ بجائے زندگی کے قیام کے ہلاکت کا موجب ہوں تو ان کو دبا دینا ہی ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ اس وقت اس کا مفہوم ایسا ہی ہو گا جیسا کہ کسی کا کوئی عزیز مر جائے اور وہ تلوار یا خنجر سے اپنے آپ کو قتل کر ڈالے۔

پس جو شخص ایسی میت پر جو طاعون کا شکار ہو چکی ہے ضروری احتیاط نہیں کرتا وہ طبعی طور پر اپنے آپ کو خنجر سے ہلاک کرتا ہے۔ کیونکہ طاعون کا کیڑا خنجر سے کم نہیں۔ فرق اتنا ہے کہ خنجر نظر آتا ہے۔ اور وہ نظر نہیں آتا۔ میں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی عورت بچہ جننے کے وقت جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ اب مرد ڈاکٹر کے ذریعہ بچہ جنوانے کے بغیر وہ مر جائے گی لیکن وہ شرم کرتی ہے تو وہ میرے نزدیک خودکشی کا ارتکاب

کرتی ہے۔ لوگ تو کہیں گے کہ وہ بڑی عصمت والی بی بی تھی کہ اس نے مرنا منظور کر لیا مگر مرد کے سامنے نہ ہوئی۔ مگر خدا کا رسول کہتا ہے کہ اگر اس وقت جب کہ کوئی عورت جنوانے والی نہیں ملتی اور مرد ملتا ہے اور اس سے وہ پردہ کرتی ہے اور پھر وہ مر جاتی ہے تو وہ خود کشی کی موت مرتی ہے۔ ایک حد تک جذبات سے کام لینا اور ان کا اظہار ضروری بھی ہوتا ہے بشرطیکہ ان کے اظہار میں نقصان نہ ہو۔ لیکن نقصان کی صورت میں جو ان کو دباتا نہیں اور عقل کے دائرہ کو ختم کر دیتا ہے۔ وہ سخت غلطی کرتا ہے۔

مجھے اس خطبہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک دوست نے مجھے رقعہ دیا ہے کہ میرے گھر میں میت ہوئی اور لوگوں میں بہت نفرت پائی گئی اور جنازہ بھی بہت دور کھڑے ہو کر پڑھا گیا۔ میرے نزدیک یہ رقعہ محض جذبات کے ماتحت لکھا گیا ہے۔ عقل اور فہم کا اس میں کچھ دخل نہیں۔ اگر واقعہ میں طاعون نہ بھی ہو جیسا کہ انہوں نے رقعہ میں لکھا ہے اور بعض ڈاکٹروں نے بھی کہا ہے۔ گو میرے نزدیک تو طاعون ہی تھی۔ ایک ڈاکٹر نے بھی میرے سامنے اس کے متعلق ذکر کیا اور میں نے تردید کی اور مجھے یقین ہے کہ اس کو طاعون کے سوا کوئی اور مرض نہ تھا۔ جس قسم کے حالات انہوں نے بیان کئے ہیں وہ طاعون پر ہی دلالت کرتے ہیں کیونکہ طاعون کے کیڑے مشابہ امراض میں بھی داخل ہو جاتے ہیں۔

وزیر آباد کا ایک رئیس باغ سے پھول توڑنے لگا اور اس کی انگلی میں کانٹا چبھ گیا اور اسی سے وہ مر گیا۔ تمام ڈاکٹروں نے یہی رائے دی کہ طاعون کا زہر اس زخم کے راستہ سے سرایت کر گیا تھا۔ تو وبائی امراض بسا اوقات مشابہ شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ خصوصاً ایسی مہلک مرض کہ جس سے انسان ترت پھرت مر جائے۔ اس میں تو اس مرض کے وبائی ہونے میں شبہ ہونے کی بھی گنجائش نہیں ہوتی بعض حالات میں شبہ ہوتا ہے ایسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ شبہ درست ہو اور ممکن ہے کہ غلط ہو۔ اگر شبہ کی صورت میں بھی کوئی دوست احتیاط کریں تو طبی طور پر اور شرعی طور پر بھی ان کو اختیار ہے۔ ہاں جب تک تو کوئی بیمار ہے اس وقت تک تو یہ ضروری بلکہ فرض ہے کہ مریض کی پوری طرح خبر گیری کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو احتیاط کا پہلو بھی برتا جائے۔

اگر کوئی ڈاکٹر مریض کو دیکھنے سے انکار کرتا ہے تو وہ سخت غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ اس نے ذمہ داری لی ہے کہ میں مریضوں کو دیکھوں گا اور ان کا علاج کروں گا۔ اس لئے جتنا بھی قریب سے قریب ہو کر بیمار کے علاج کے لئے مفید سمجھتا ہے۔ وہ قریب ہو کر علاج کرے ہاں وہ احتیاط کرے۔ مثلاً ننگے

حصوں پر ایسی دوائیں لگائے جن کو وہ سمجھتا ہے کہ طاعونی اثر کو زائل کرنے والی ہیں یا ایسی دواؤں سے دھوئے اور اعضاء کو صاف کرے جن کے ساتھ صاف کرنے سے کیڑوں سے جان بچ سکتی ہے۔ اگر وہ ایسے مریضوں کو نہیں دیکھتا اور ان کے علاج میں غفلت کرتا ہے تو وہ اپنے فرض منصبی کو ادا نہیں کرتا۔ لیکن اگر کوئی مریض اس مرض سے مرجاتا ہے یا کسی کو اس کے متعلق اس مرض کا شبہ بھی ہے اور وہ احتیاط کرتا ہے تو اس کو اس احتیاط سے روکنا غلطی ہے۔

کئی ایسے کمزور دل ہوتے ہیں جو محض وہم سے ہی مرجاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو زور دے کر آگے کرنا ان کو عمداً موت کے منہ میں ڈالنا ہے۔ میری اپنی یہ حالت ہے کہ میں جس بیمار کو دیکھوں وہی بیماری مجھے ہو جاتی ہے۔ اس تکلیف اور صدمہ کو میری طبیعت برداشت نہیں کر سکتی۔ دل کی کمزوری بھی ایک بیماری ہے بعض آدمی کسی کا آپریشن ہوتا دیکھ لیں تو وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اب ایسے شخص کو اگر مجبور کیا جائے تو سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ بھی مرجائے گا۔ اس لئے اگر کسی کے دل میں وہم بھی ہے تو ہمیں ان کے وہم کا بھی لحاظ رکھنا پڑے گا۔ بہت باتیں اعصاب سے تعلق رکھتی ہیں لیکن نتائج ان کے ظاہر ہوتے ہیں۔ جذبات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ مگر اس وقت تک جب کہ عقل روک اور مانع نہ ہو۔ اس لئے مناسب احتیاط کے ساتھ میت کو دفن کر دینا گلنے سڑنے اور جانوروں سے بچانا ایسی ذمہ داری اگر انسان ادا کر دے تو پھر قطع تعلقات کا خطرہ نہیں رہتا۔ ورنہ جب لوگ اس قسم کا نظارہ دیکھیں گے۔ تو وہ پھر زندوں کی فکر کی بھی کچھ ضرورت نہ سمجھیں گے۔ اس لئے جس حد تک تو جذبات تعلقات کے قیام کا موجب ہو سکتے ہیں عقل کے مطابق ان کا اظہار ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ ان کو دبا دینا ہی ضروری ہوتا ہے۔

ہماری جماعت کو دونوں پہلوؤں پر پورے طور پر کامل اور مکمل ہونا چاہیے۔ بیمار اور زندوں کے حق میں ہمیں ایسے ایثار اور قربانی سے کام لینا چاہیے۔ کہ ایک جان کے بچانے کے لئے پانچ یا چھ اور جانیں بھی خطرہ میں پڑ جائیں تو کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیے۔ ہاں جو ظاہر آداب اور احتیاطیں ایسے مریض کی تیمارداری کی ہیں عقل یہ نہیں کہتی کہ ان کو اپنے جذبات کے استعمال کے وقت کام میں نہ لاؤ۔

پھر میں اپنے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کو محبت اخلاص اور ہمدردی کو بڑھانا چاہیے اور ایک دوسرے کے لئے دعائیں کرنی چاہئیں۔ اور اگر کوئی بھائی قضا الٰہی سے کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو اس کی پوری پوری ہمدردی کریں بعض ایسے بھی مصیبت زدہ ہوتے ہیں

کہ ان کا کوئی بھی خبر گیر نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک شعر ہے۔

بے خدا کوئی بھی ساتھی نہیں تکلیف کے وقت
اپنا سایہ بھی اندھیرے میں جدا ہوتا ہے

پس خصوصیت کے ساتھ مصیبت اور تکلیف کے وقت عقل اور فہم کے مطابق اپنے بھائی کی تکلیف کے رفع کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ ہمدردی ایثار اور محبت کا قابل قدر نمونہ دکھانا چاہیے تاجذبات کے اظہار کا اصل مقصد حاصل ہو اور تعلقات قائم ہوں۔

اور حقیقی دوستی یہ نہیں کہ قانون قدرت سے فائدہ نہ اٹھایا جائے بلکہ اس سے فائدہ نہ اٹھانا اس کی بے قدری ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے جو سامان بچاؤ اور احتیاط کے پیدا کئے ہیں ان سے بھی فائدہ اٹھاؤ۔ طاعون ایک خدا کا غضب ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کی وجہ سے نازل ہوا۔ گو ہماری جماعت کے لئے جیسا کہ حضرت صاحب نے لکھا ہے یہ ایک شہادت کی موت ہے لیکن پھر بھی اس میں شماتت اعداء ہے۔ اس لئے احباب دعا کریں کہ خدا تعالیٰ ہمیں اس فتنے سے بچائے اور کسی کے لئے ہم ٹھوکر کا موجب نہ بنیں۔

(الفضل ۲۲جنوری ۱۹۲۵ء)